بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

مؤلف: سید اطہر عباس رضوی الہ آبادی

انسان بلحاظِ خلقت وآفرینش دین اور ماوراء طبیعت کے احساسات وجذبات سے لبریز ہے اور یہ چیز اس کے وجود کا جزء لاینفکّ ہے اور جب تک انسان، انسان ہے طبیعی اور فطری طور پر یہ کشش اس کے اندر موجود ہے؛ اور یہ بات قطعی اور یقینی ہے کہ جس چیز کا انسان کے ابدی اور باطنی میلانات ورجحانات سے سیدھا رابطہ ہے وہ کبھی بھی نذرطاق نسیاں نہیں ہو سکتی ہے اور یہ بات بلا قیدِ زمان و مکان ہر دور میں اور ہر جگہ صادق اور دائرۂ حدود سے بالاتر ہے اور بلا استثناء اور بالعموم تمام انسانوں کے اندر یکساں طور پر پائی جاتی ہے۔ کسی فرد سے مخصوص ہے اور نہ کسی زمانے سے مخصوص ہے۔

بنابراین، اسلامی معاشرہ اور تاریخ بشریت حضرت امام خمینی قدس سرہ کی ممتاز اور کم نظیر شخصیت کو جنھوں نے اپنے عمیق اور بلند و بالا افکار و نظریات اور اپنی صادقانہ سعی و کوشش سے تاریخ کا رخ موڑا ہے، کبھی بھی فراموش نہیں کرے گی۔

یہ وہ شخصیت ہے جس نے خدا کے لطف و کرم پر اعتماد و اور اپنے ہدف پر ایمان و یقین کے ساتھ ڈھائی ہزار سالہ شہنشاہیت کو بھولی بسری تاریخ بنا کر اسلامی معاشرہ میں ایک نئی روح پھونکی ہے اور عالم بشریت اور امّت مسلمہ کے چہرے کو خود فراموشی کی گرد سے پاک کرکے انھیں ان کی حقیقی اور واقعی شخصیت سے روشناس کرایا ہے۔

یہ شخصیت اور یہ روئیداد، دین اور لوگوں کے ایمان سے وابستگی کی بدولت ہمیشہ ثابت اور پائیدار رہے گی اور ان شاء اللہ کبھی بھی نذرِطاق نسیاں نہیں ہو گی۔

امام خمینی نہ تنہا علمی مراحل میں پیشرو اور ہادی و رہنما کی حیثیت رکھتے تھے بلکہ اجتماعی اور سیاسی میدان میں بھی آپ کا کوئی جواب نہیں تھا۔ آپ حالات زمانہ سے بخوبی واقف اور درد و درمان دونوں سے مکمل آگاہی

رکھتے تھے۔عالم استکبار اور جہان استعمار آپ کی ہیبت وجلالت سے لرزہ اندام رہتے تھے اور آپ کی ایک آواز اور ایک تقریر ان کے تمام منصوبوں پر پانی پھیر دیتی تھی؛ کیونکہ بقول شاعر:

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے

پر نہیں طاقتِ پرواز مگر رکھتی ہے

فلسفہ وعرفان ،فقہ وفقاہت اور اجتہاد میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ادبی ذوق سے سرشار اور کلام کے لطائف سے مکمل آشنائی رکھتے تھے۔دنیا کی سیاست پر بڑی گہری نظر رکھتے تھے اور عالم استکبار اور دنیائے استعمار واستثمار کی چالوں اور ہتھکنڈوں سے بخوبی واقف تھے۔علاوہ براین، آپ کے تعمیری اخلاق اور رات کے سناٹے میں آپ کی دل دلدوز اور دل ہلا دینے والی مناجاتیں آپ کی شخصیت کے وہ نمایاں پہلو ہیں جو آپ کو منفرد اور نمایاں مقام عطا کرتے ہیں۔اس تعلق سے جو کہا جاسکتا ہے وہ یہ ہے کہ آپ دو گرانقدر خصوصیات کے مالک تھے اور یہ دو خصوصیات اپنے دامن میں تمام آثار اور تجلیات کو سمیٹے ہوئے ہیں۔

ا۔مبدا ومعاد پر ایمان؛ایمان ویقین کے اس درجے پر فائز تھے جیسے ماوراء طبیعت کو اپنی انھیں ظاہری آنکھوں سے دیکھ رہے ہوں اور ان کی آنکھوں کے سامنے کوئی پردہ حائل نہ ہو اور کیوں نہ ہو، یہ اس علی (ع) کے فرزند ہیں جن کا طرۂ امتیاز ”لو کشف الغطاء لماازددت یقینا“[۱] ہے

۲۔اسلام اور اسلامیات سے عشق اور اس کی راہ میں مکمل ایثار وفداکاری۔

یہ دونوں عناصر آپ کی شخصیت کے مقناطیسی عناصر شمار ہوتے ہیں اور آپ کی شخصیت کو پر کشش اور دیدہ زیب بناتے ہیں؛ چنانچہ انھیں دو عناصر کو بنیاد قرار دیتے ہوئے ہم آپ کی شخصیت کے بعض نمایاں پہلوؤں کی طرف اشارہ کررہے ہیں:

دنیا کے حالات سے مکمّل آگاہی

ا۔ارشاد القلوب، ج۱، ص ۱۲۴۔

صادق آل محمد (ص) فرماتے ہیں: "العالم بزمانه لا تهجم عليه اللوابس"[۱] اپنے زمانہ کے حالات و شرائط سے آگاہ شخص کبھی بھی ہجوم اشتباہات اور غیر مترقبہ حوادث سے دوچار نہیں ہوتا۔ اس حدیث میں امام ششم نے رہبری کی ایک شرط بیان کی ہے کہ رہبر کو اپنے زمانہ کے حالات و شرائط کی مکمل اطلاع ہونی چاہئے۔

امام راحل (قدس سرہ) کی شخصیت کا ایک نمایاں پہلو حالاتِ دنیا اور شرائطِ زمانہ سے آپ کی مکمل آگاہی ہے۔ دنیا میں اسلام کے خلاف اٹھنے والی سیاسی اور الحادی تحریکوں اور ان کے شیطانی منصوبوں کو اچھی طرح پہچانتے تھے اور سب پر آپ کی نظر ہوتی تھی۔ اگر عنفوان شباب سے ایسی خصوصیت کے مالک نہ ہوتے تو کبھی بھی زمانۂ پیری میں جب آپ نے زمام امور اپنے ہاتھ میں لی، اسلامی انقلاب کی ایسی صلابت و استواری کے ساتھ رہبری نہیں کر سکتے تھے۔ دشمن آپ کی یہ قدرت و توانائی اور صلاحیت دیکھ کر انگشت بدنداں رہ جاتا تھا اور حیرت و استعجاب کے سمندر میں غوطے لگانے لگتا تھا۔

رضا خان کے گھٹن سے بھرپور دور حکومت میں جس کا آغاز ۱۳۰۴ھ ش سے اور اختتام ۱۳۲۰ھ ش میں ہوا، سارے وسائل حکومت کے دست اختیار میں تھے اور بہت کم کتابیں زیور طبع سے آراستہ ہوتی تھیں یہاں تک کہ غیر سیاسی کتابیں بھی زیور طبع سے آراستہ نہیں ہوتی تھیں؛ لیکن ۱۳۲۰ھ ش کے بعد ایران میں متفقین[۲] کی آمد اور دوسری جنگ عظیم کے شعلہ ور ہونے کے بعد قلم و بیان پر عائد پابندیاں ختم ہو گئیں اور امام خمینی نے اس سنہری موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کتاب "اسرار ہزار سالہ"[۳] کی ردّ کے ضمن میں حقائق کو بیان کرنے کا بیڑا اٹھایا۔

کتاب "کشف الاسرار" کی حیرت انگیز روش نگارش اور اسلوب بیان نے مسلمانان ایران کے دلوں میں ایک تازہ روح پھونک دی۔ امام خمینی نے اس عنوان کے تحت کہ کیوں رضا خان کا رویہ علمائے اسلام کے ساتھ برا تھا، رضا خانی حکومت کی حقیقت کی تشریح کرتے ہوئے علمائے اسلام کے گرانقدر مقام و مرتبہ کو عوام الناس کے سامنے اجاگر اور روشن کیا۔ یہ کتاب جو ۱۳۲۳ھ ش میں زیور طبع سے آراستہ ہوئی اس سے ایران کے اندر

۱۔ الکافی، ج ۲، ص ۱۶۴۔
۲۔ وہ ممالک جنھوں نے پہلی جنگ عظیم میں متحدین سے جنگ کی۔
۳۔ تالیف علی اکبر حکمی زادہ

ولولہ و ہیجان پیدا ہوا اور لوگوں میں بیداری کی ایک لہر دوڑ گئی۔ بہر حال اس کتاب کے ہر قاری کو اس بات کا یقین ہو جاتا ہے کہ امام خمینی ابتدا سے ہی بلند سیاسی افکار کے مالک تھے اور ہمیشہ سے اس بات کے لئے کوشاں تھے کہ ایران میں فاسد نظام کی جگہ ایک اسلامی نظام قائم ہو۔

متفقین ۱۳۲۴ھ ش اور ۱۳۲۵ھ ش کے برسوں میں ایران کو ترک کرتے ہیں اور استعمار اس بار رضا خان کے بیٹے کو برسر اقتدار لاتا ہے اور وہ اپنے باپ کے پروگرام کو اپنی ریاکارانہ روش کے ساتھ آگے بڑھاتا ہے اور اس طرح مرور زمانہ کے ساتھ ایک بار ایران میں ظلم و استبداد کا بازار گرم ہو جاتا ہے۔ گزرتے ہوئے وقت کے ساتھ اس کی قدرت وطاقت میں روز افزوں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ ہمیں اس زمانۂ فترت میں امام خمینی بالکل آرام اور پر سکون دیکھائی دیتے ہیں، وہ اس دوران، فقہ و اصول، فلسفہ و اخلاق کی تدریس میں مشغول دکھائی دیتے ہیں اور سیاسی مسائل پر بہت کم گفتگو کرتے ہوئے نظر آتے ہیں؛ وہ ولولہ انگیز، حرارت بخش اور ہیجان آفریں قلم جس کا بارز نمونہ کتاب ''کشف الاسرار'' ہے کیوں اس دوران خاموش رہتا ہے اور علم کے میدان میں نور افشانی کرتا ہوا نظر آتا ہے۔

آیت اللہ بروجردی ۱۳۲۴ھ ش میں علاج کے لئے بروجرد سے تہران تشریف لاتے ہیں، اور علمائے قم کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے اس شہر میں رہائش پزیر ہو جاتے ہیں۔ آپ ۱۳۲۴ھ ش میں آیۃ اللہ آخوند خراسانی کی رحلت کے بعد ۱۳۲۵ھ ش میں مرجعت کے منصب پر فائز ہوتے ہیں اور عالم تشیع کی ہدایت و رہبری کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لیتے ہیں۔ سچ مچ اپنے زمانے میں ان کا کوئی ثانی نہیں تھا۔ وہ نابغۂ روزگار اور ایک بے بدیل مرجع تھے، اور اگر انھیں دنیائے فقہ وفقاہت کے ماتھے کا جھومر کہا جائے تو شائد غلط نہ ہوگا۔

امام خمینی جو خود آقائے بروجردی کو قم دعوت دینے والوں میں سے ایک تھے، جب ایک ایسے مرجع کو عالم تشیع کی باگ ڈور سنبھالتے ہوئے دیکھتے ہیں تو مطمئن اور پر سکون ہو جاتے ہیں اور اب انھیں شخصا سیاسی مسائل میں پڑنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ چنانچہ اس کے بعد آپ خاموشی اختیار کر لیتے ہیں اور سیاسی مسائل پر بہت کم گفتگو کرتے ہیں۔ اس بات سے ان کی دلیری و جوانمردی اور شہامت روح کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ ایسے بلند و عمیق افکار اور مؤثر ارشادات کے باوجود بھی آیۃ اللہ بروجردی قدس سرہ کے سامنے سکوت اختیار

کرتے ہیں۔ ایسا کرکے امام خمینی ایک عظیم مرجع کے احترام کی پاسداری کرتے ہوئے حفظ مراتب کی سنّت کو معراج کمال عطا کرتے ہیں اور اس دوران فقط ضرورت کے وقت اور خصوصی ملاقاتوں میں ضروری مطالب کی یادآوری کرتے ہیں۔

آیت اللہ بروجردی ۱۳۴۱ھ ش میں داعی اجل کو لبّیک کہتے ہیں اور شاہ جو اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل کے لئے ان کی موت کے ایام گن رہا ہوتا ہے، اس موقع کو غنیمت شمار کرتے ہوئے ایران میں مرجعیت کی تضعیف کے مشن پر لگ جاتا ہے اور اپنے اس مذموم مقصد کی تکمیل کے لئے تاکہ لوگ دینی مسائل کے لئے ایران کے باہر رجوع کریں، آیۃ اللہ حکیم کو تسلیتی ٹیلیگرام ارسال کرتا ہے۔ چنانچہ کبھی اپنی باتوں کے درمیان اس بات کا برملا اظہار بھی کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اب تمام رکاوٹیں ختم ہو گئی ہیں اور اب ہمیں اپنے اصلاحی پروگرام کو نافذ اور عملی کرنا چاہئے کیونکہ اب ایران میں ایسی کوئی شخصیت دکھائی نہیں دیتی ہے جو ہمیں ہمارے پروگرام کو نافذ اور عملی کرنے سے روک سکے۔

زیادہ دیر نہیں گزرتی ہے کہ صوبائی اور مرکزی انجمنوں کے آئین نامہ کے تصویب کا مرحلہ پیش آتا ہے اور اس میں ہماری مقدس آسمانی کتاب کی توہین کی جاتی ہے اور اس کے بعض رسمی قوانین کی معاذاللہ دھجیاں اڑائی جاتی ہیں۔

اس آئین نامہ کی تصویب ایک طرح کی آزمائش ہوتی ہے تاکہ حکام وقت علمائے اسلام کے رد عمل کو دیکھ سکیں کہ وہ اس کے بالمقابل کیا رخ اپناتے ہیں۔

آئین نامہ کے کلّیات ۱۳۴۱ھ ش میں اس وقت کے کیہان اور اطلاعات جیسے اخباروں کی زینت بنتے ہیں، محرِّر و کاتب جو امام خمینی کے خرمن کا ایک خوشہ چیں ہوتا ہے اور خصوصی جلسات میں امام خمینی کو حکومت پر انتقاد اور نکتہ چینی کرتے ہوئے دیکھ چکا ہوتا ہے، موقع کو غنیمت شمار کرتا ہے اور کیہان اخبار کی ایک کاپی امام خمینی کے پاس لے کر پہونچتا ہے اور انھیں صوبائی اور مرکزی انجمنوں کے آئین نامہ کی تصویب کے مضمون سے مطلع کرتا ہے۔ اخبار میں یہ خبر دیکھ کر امام خمینی کی پیشانی پر بل پڑ جاتے ہیں اور آپ اپنے داماد مرحوم اشراقی کو آیۃ اللہ حائری کے گھر بھیجتے ہیں تاکہ وہ آیۃ اللہ حائری سے درخواست کریں کہ وہ موجودہ تمام آیات اور مراجع کو اپنے گھر بلائیں تاکہ سب مل کر اس تصویب نامہ کے بارے میں غور و فکر کریں اور کوئی لائحۂ عمل ترتیب دیں۔

آیہ اللہ حائری کے گھر اس رات مراجع کرام کا پر شکوہ اجتماع، وحدت و یگانگت اور انسجام کی علامت تھا اور اس تعلق سے ان سب کے ٹیلیگرام شاہ کی مذموم اور ناپاک سازش کے مقابلے علماء و روحانیت کے ثبات و استقامت کی حکایت کرتے ہیں لیکن اس درمیان امام خمینی کا ٹیلیگرام ایک خاص صلابت و پختگی اور ثبات واستقامت کی ترجمانی کرتا ہے۔

اس تحریک میں جو دو تقریبا مہینہ تک چلی، امام خمینی کے ٹیلیگراموں اور ہر طرف ارسال کردہ آپ کے خطوط نے قوم کو آپ کی آگاہ اور بابصیرت شخصیت سے آشنا کیا اور لوگوں نے رفتہ رفتہ آپ کو اپنے قائد اور رہبر کے طور پر جان اور پہچان لیا۔

صوبائی اور مرکزی انجمنوں کا مسئلہ ختم ہوتا ہے اور حکومت ایک خاص ریاکارانہ روش کے تحت تصویب نامہ کو واپس لے لیتی ہے لیکن چند ماہ بعد ایک دوسرے نیرنگ کے ساتھ چھ لائحوں پر مشتمل اپنے پروگرام کو آگے بڑھاتی ہے جن میں حق و باطل کو آپس میں ملا دیا گیا تھا۔ ایسے حالات و شرائط میں امام خمینی کی صلابت و استواری اور استقامت و پائیداری پہلے سے کہیں زیادہ آشکار ہوتی ہے اور ریفرینڈم کی تحریم، حکومت وقت کے سامنے مقاومت اور اور اعلان عزائے عمومی کے ذریعے آپ حکومت وقت کی حیثیت و وقار پر ایک کاری ضرب لگاتے ہیں۔ ان حالات و شرائط میں آپ کو پندرہ خرداد کو گرفتار کرلیا جاتا ہے لیکن جیسے ہی آپ کی گرفتاری کی خبر لوگوں تک پہونچتی ہے، تہران میں ایک قیامت برپا ہو جاتی ہے اور سارے لوگ سڑکوں پر نکل پڑتے ہیں اور اس کے نتیجے میں کچھ فرزندان اسلام و انقلاب شاہ کی سفاک فوج کے ہاتھوں شہید ہو جاتے ہیں۔ ۱۵خرداد کو روز عزائے عمومی اعلان کرنے کی یہی وجہ ہے اور آج بھی اس دن ایران میں ان شہدائے با کرامت کا سوگ منایا جاتا ہے۔ الحمد للہ ان کی شہادت رائیگاں نہیں جاتی اور سرانجام ۲۲ بہمن ۱۳۵۷ھ ش میں ایران سے شہنشاہیت کا خاتمہ ہو جاتا ہے اور یہ شہنشاہیت ہمیشہ ہمیشہ کیلئے تاریخ کے اوراق تلے دفن ہو جاتی ہے۔

امام خمینی قدس سرہ ۲۲ بہمن سے ایک مرجع اور سیاسی و دینی رہبر کے عنوان سے پہچانے گئے اور اپنی درایت و باریک بینی سے بہت ساری سازشوں کو بے نقاب اور بے اثر کیا اور ایک بار پھر سے ایران میں درختِ اسلام کی

آبیاری کی اور دس برس رہبری کے بعد ایک با عظمت اسلامی نظام کی بنیاد رکھ کر اس کو اپنی تربیت کردہ قوم وملت کے سپرد کیا۔

امام خمینی (طاب ثراہ) کا فلسفی اور عرفانی پہلو

قم میں حوزۂ علمیہ کی تاسیس اس بات کا باعث ہوئی امام خمینی جیسی عظم فلسفی اور عرفانی شخصیت فیض پہونچانے اور حرم اہلبیت اور عش آل محمد سے فیض حاصل کرنے کے لئے قم میں رہائش پزیر ہو۔اس تعلق سے دو مایۂ ناز شخصیات آیۃاللہ شاہ آبادی اور آیۃاللہ رفیعی قزوینی کا نام قابل ذکر اور رہروان علم و معرفت کے لئے مشعل راہ ہے۔

امام خمینی نے مکمل پانچ برس عرفان کی تعلیم آیۃاللہ شاہ آبادہ طاب ثراہ سے اور فلسفہ کی تعلیم آیت اللہ رفیعی قزوینی سے حاصل کی لیکن ان دونوں میں مرحوم شاہ آبادی سے بہت زیادہ متاثر تھے اور کہتے تھے کہ میں نے ایسا لطیف الطبع انسان اپنی زندگی میں آج تک نہیں دیکھا۔ ان کا اپنے استاد کے ساتھ رویہ اتنا عارفانہ اور مؤدبانہ تھا کہ اگر کسی دن درس دو تین گھنٹہ طولانی ہو جاتا تھا تو بھی خستگی کا اظہار نہیں کرتے تھے اور اگر کسی دن کسی عذر کی وجہ سے مختصر درس کہتے تھے تو بھی کوئی اعتراض نہیں کرتے تھے۔آپ کی اس خصوصیت کا ذکر خود استاد دوسروں سے کیا کرتے تھے۔

امام خمینی طاب ثراہ عرفانی اور فلسفی مسائل میں سچ مچ ید طولیٰ رکھتے تھے اور بہت سارے اساتذۂ عرفان و فلسفہ کے برخلاف جو فقط مسائل کی تبیین اور تقریر پر اکتفاء کرتے تھے اور عین ممکن ہے عمق مطلب تک خود ان کی بھی رسائی نہ تھی ،الٰہیات کے مسائل پر بڑی گہری نظر رکھتے ہیں اور جو کچھ کہتے تھے اس کو صمیم قلب سے بیان کرتے تھے اور مسائل میں شہود کی حد تک پہونچے ہوئے تھے۔

وہ اگرچہ فلسفہ و عرفان دونوں سے بہت زیادہ لگاؤ رکھتے تھے لیکن عرفان نظری اور علمی کی طرف ایک خاص کشش رکھتے تھے۔اس فن میں آپ کی مایۂ ناز تالیف آپ کا علمی نبوغ کی بین دلیل ہے۔کتاب ''مصباح الہدایہ فی الولایۃ والخلافۃ'' اسماء و صفات کے تعلق سے عرفانی بحث پر مشتمل ہے جو درحقیقت نادر روزگار ہے اور بہت کم عارفوں کی ان مطالب کی گہرائی تک رسائی ممکن ہے۔ان کے نزدیک کبھی بھی شاگردوں کی کمیت مسئلہ نہیں

تھی، کمیت سے کہیں زیادہ کیفیت پر زور دیتے تھے۔یہی وجہ ہے کہ آیۃ اللہ شہید مطہری کو بہت زیادہ اہمیت دیتے تھے۔

امام خمینی طاب ثراہ کا اخلاقی پہلو

آیۃ اللہ حائری کی رحلت کے بعد پنجشنبہ اور جمعہ کے دن بوقت عصر امام راحل (ر) نے ایسی بحث کا آغاز کیا جو حکام وقت کو آنکھ میں تنکے کی طرح چبھتی تھی اور چونکہ ان دنوں تدریس کے علاوہ دوسرے اجتماعات پر روک تھی آپ نے اس بحث کا آغاز درس اخلاق کے عنوان سے کیا جس کو قانونی لحاظ سے حوزۂ علمیہ کے دوسرے دروس کے زمرے میں آتا تھا۔

امام راحل اس درس میں عرفانی اور سیاسی مسائل کے ساتھ نصیحت آمیز اخلاقی نکات بیان کرتے تھے اور کبھی کبھی حکام وقت کی مزاحمت اور تدریس پر قدغن لگانے کے خوف سے محلّ تدریس کو مدرسۂ فیضیہ سے مدرسۂ ملّا صادق میں منتقل کر دیا کرتے تھے۔خلاصۂ کلام، اسی پر آشوب دور میں آپ نے "الاربعین" نامی ایک گرانقدر کتاب لکھی۔یہ کتاب آیۃ اللہ حائری کی رحلت کے بعد ۱۳۵۸ھ ش تک پنجشنبہ اور جمعہ کے دن آپ کے دروس اخلاق کا خلاصہ ہے۔یہ کتاب جو بیت امام پر حکومت وقت کے وحشیانہ حملے کے بعد گم ہو جاتی ہے پھر، برسوں بعد ہاتھ آنے کی صورت میں زیور طبع سے آراستہ ہوتی ہے۔جنھوں نے ان نورانی دروس اور روحانی جلسات میں شرکت کی تھی، وہ حضرات، قلب وروح پر کلامِ امام خمینی کی تاثیر سے بخوبی واقف ہیں۔اس درس اخلاق کا ایک جلسہ انسان کو دنیا کی آرائش و زیبائش اور رنگینیوں سے اس طرح سے بے رغبت کر دیتا تھا کہ انسان فقط اور فقط معنویات کو اہمیت دینے لگتا تھا۔امام خمینی کے درس اخلاق نے اس دور کے طلّاب کرام اور فضلاء عظام میں ایسی تبدیلی پیدا کر دی تھی کہ مسئلۂ سیر وسلوک نے رفتہ رفتہ طلاب کے درمیان اپنی جگہ بنالی تھی اور وہ اپنی رفتار وگفتار کو اخلاق اسلامی کے سانچے میں ڈھالنے کی بھرپور کوشش کرتے تھے۔

اخلاقی مسائل کی نسبت امام خمینی کی حسّاسیت کا یہ عالم تھا کہ اگر کوئی ایسی بات کہہ دیتا تھا جس سے ایک مسلمان کی اہانت کی بو آتی تھی تو آپ اس سے ناراض ہو جاتے تھے اور پھر اس کو اپنی بات جاری رکھنے کا موقع نہیں دیتے تھے۔

جب آپ مدرسہ فیضیہ میں کچھ طلاب کو فلسفہ پڑھا رہے تھے، قم کے ایک غیر مشہور عالم اس بات سے آگاہ نہ ہوتے ہوئے اسی جگہ ایک طالب علم کو کتاب شرح لمعہ کی تدریس شروع کر دیتے ہیں۔جب امام خمینی مدرس میں داخل ہوتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ وہ مشغول تدریس ہیں تو بلا فاصلہ وہاں سے باہر نکل آتے ہیں اور پھر کبھی بھی اس جگہ کا رخ نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ انھوں نے مجھ سے پہلے تدریس شروع کی ہے اس لئے ان کو حق سبقت حاصل ہے۔جب بھی کسی مسجد میں تدریس کے لئے جاتے تھے تو درس سے پہلے دو رکعت نماز تحیت مسجد پڑھتے تھے، اس کے بعد درس شروع کرتے تھے اور جب تک درس کے لئے افراد کی صلاحیت جان نہیں لیتے تھے، اپنے درس میں شرکت کی اجازت نہیں دیتے تھے۔کہاں وہ دور اور کہاں کا آج کا دور۔زمین و آسمان کا فرق ہے۔

امام خمینی کا فقہی اور اجتہادی پہلو

امام خمینی مؤسس حوزہ کے دروس فقہ واصول سے تقریبا گیارہ برس بہرہ مند ہوئے اور ان کی رحلت کے بعد سطوح عالی کی تدریس شروع کی اور کبھی بھی ان دونوں علوم سے آپ کا رشتہ منقطع نہیں ہوا۔تدریس کے علاوہ آیۃ اللہ محقق داماد اور آیۃ اللہ سید احمد زنجانی جیسے بزرگان حوزہ کے ساتھ مشترک فقہی مباحثہ کا سلسلہ جاری رکھا۔

جب آیۃ اللہ بروجردی ۱۳۴۶ھ ش میں قم تشریف لائے تو جن علماء اور طلاب نے ان کے درس کو گرمی اور حرارت بخشی ان میں سے ایک امام خمینی قدس سرہ بھی تھے۔

آیت اللہ بروجردی اور آیۃ اللہ حائری کی فقہی روش بالکل جداگانہ تھی۔آیت اللہ حائری تتبع سے زیادہ بحث و تحقیق اور تعمق پر زور دیتے تھے اور آیۃ اللہ بروجردی دوسرے امور سے زیادہ قرون اوّلیہ میں تاریخ مسئلہ اور فقہائے عامّہ و خاصّہ کے فتاوی اور رجال سند میں تفحص و جستجو پر زور دیتے تھے اور عمق بحث کے اعتبار سے بھی بلند مقام کے حامل تھے۔

امام خمینی نے آیت اللہ بروجردی کے درس میں شرکت کرکے ان کے درس کے امتیازات کا پتہ لگایا۔آپ ہمیشہ علمائے کرام اور فضلائے عظام کو آقائے بروجردی کی روش کو اپنانے کی دعوت دیتے تھے۔آپ نے ۱۳۴۶ھ ق سے ۱۳۷۰ھ ق تک آقائے بروجردی کی دروس میں شرکت کی اور نتیجے میں دونوں استاد کی روش کے امتیازات

اور خصوصیات کو مخلوط کرکے خود ایک نئی روش کی بنیاد ڈالی اور ۱۳۶۴ھ ق سے علمائے کرام کی ایک جماعت کی درخواست پر درس خارج اصول کا آغاز کیا۔آپ نے اصول کی دو دورہ سے زیادہ تدریس کی اور ہر بار علم اصول میں کچھ جدید نظریات پیش کئے۔ تین جلدوں پر مشتمل آپ کے دروس "تہذیب الاصول" کے نام سے منظر عام پر آئے جو اس وقت خارج اصول کے مدرسین کے لئے سند اور آیات عظام اور فقہائے ذوی الاحترام کے لئے مرجع کی حیثیت رکھتے ہیں۔

جب طاغوت وقت نے آپ کو ترکی جلاوطن کردیا تو آپ نے پھر سے ضروری مسائل کے اضافہ کے ساتھ وسیلہ کو تحریر کرنے کا ارادہ کیا اور یہ کتاب " تحریر الوسیلہ " کے نام سے منظر عام پر آئی۔ یہ کتاب جس کا ایک حصّہ شہر بورسا ترکیہ میں جلاوطنی کے درمیان اور دوسرا حصّہ نجف آنے کے بعد رشتۂ تحریر میں آیا، فقہی متون کا ایک مکمل دورہ ہے جو فقہ وفقاہت میں آپ کی استادی اور عمیق نگاہی کی روشن دلیل ہے۔

حضرت امام خمینی کے وہ فتوے جو انقلاب کے بعد رشتۂ تحریر میں آئے اور ان میں جدید مسائل پر روشنی ڈالی گئی ہے، وہ درحقیقت ایک گرانقدر فقہی اثاثہ ہے اور فقہ میں آپ کی مہارت کی عکاسی کرتا ہے۔ امام خمینی [نارسا نظریات کے برخلاف جو خام اور فقہ میں ناوارد افراد کے ذہن کی پیداوار ہیں] فقہ سنّتی اور جوہری پر بہت زیادہ زور دیتے تھے اور اصولی طور پر دوسری روش کو صحیح نہیں جانتے تھے۔

ایک دن ان سے درخواست کی گئی کہ شفا اور اسفار جیسی حوزہ کی درسی کتابوں میں کچھ تبدیلی کی جائے لیکن انھوں نے اس بات سے صاف انکار کردیا اور کہا کہ آسان نویسی اور بڑی کتابوں کی تلخیص سے طلاب کی باریک بینی میں کمی آئے گی؛اس لئے اصالت کی پاسداری کی جائے اور جدید اسالیب کے استعمال سے جب تک باقاعدہ اور صحیح طریقے سے ان کی آزمائش نہ کرلی جائے،احتراز کیا جائے۔

امام خمینی کا عبادی پہلو

حضرت امام خمینی بچپن سے ہر طرح کی ریاکاری کے مخالف تھے۔ باوجودیکہ دن میں دوسرے علماء و طلاب کی طرح تحصیل علم میں مشغول رہتے تھے، پنجشنبہ اور جمعہ کے دن تفریح کے لئے قم سے باہر تشریف لے جاتے تھے لیکن رات کی تاریکی میں اپنے معبود حقیقی سے راز و نیاز کیا کرتے تھے۔دوران جوانی اور ۲۷ برس کی عمر

سے نماز شب کبھی ترک نہیں کی؛ پیریس سے تہران واپسی پر بھی نماز شب جہاز کے اندر پڑھی اور اسپتال میں زیر علاج رہنے کے وقت بھی نماز شب سے غافل نہیں ہوئے۔ دعاؤں میں صحیفۂ سجّادیہ سے خاص لگاؤ تھا اور معتقد تھے کہ دعاؤں کے ما بین السطور ایسے ایسے عرفانی اور فلسفی مسائل موجود ہیں کہ وہاں تک کسی فلسفی کے طائر فکر و خیال کی بھی رسائی ممکن نہیں ہے۔ مناجاتوں میں مناجات شعبانیہ خاص طور پر آپ کی توجہ کا مرکز تھی اور ماہ رمضان المبارک میں دعاؤں کے با قاعدہ پڑھنے کے عادی تھے۔ ۱۳۴۷ھ ق میں امام باقر علیہ السلام سے منقول دعائے سحر کی ایسی خوبصورت شرح لکھی جو عارفوں اور عاشقوں کے دلوں کو سیر ملکوتی کی دعوت دیتی ہے۔ زیارتوں میں زیارت جامعہ سے آپ کو ایک خاص لگاؤ تھا اور اس کو دیگر تمام زیارتوں پر ترجیح دیتے تھے اور ہر معصوم کے حرم میں زیارت جامعہ پڑھنے کے پابند تھے۔

ہنگام نماز، عز وجلال الٰہی میں غرق رہتے تھے اور اس تعلق سے آپ کی دو گرانقدر کتابیں ''آداب الصلوۃ'' اور ''اسرار الصلوۃ'' عرفانی اور الٰہی مضامین پر مشتمل ہیں۔ دونوں ہی نہایت نفیس اور بیش بہا کتابیں ہیں اور ایسی کتابیں شاذ و نادر ہی دیکھنے کو ملتی ہیں۔

وہ فلاسفہ کے درمیان مکتب صدر المتألہین کے شیفتۂ و عاشق تھے اور عرفاء اور محققین عرفان کے درمیان قاضی سعید قمی سے ایک خاص لگاؤ رکھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی کتاب توحید کی بنفس نفیس نسخہ برداری کی اور ان کے بلند و بالا افکار کی بہت زیادہ ستائش کرتے تھے۔ قاضی سعید قمی کی دوسری کتابوں کے درمیان ان کی کتاب ''الاربعین'' کو بہت زیادہ اہمیت دیتے تھے۔

خاص حالات میں جب صرف آپ کے قریبی لوگ ہی آپ کو دیکھ سکتے تھے، بعض عرفانی کتابوں کے مطالعہ کے وقت آپ کو اکثر زار و قطار روتے ہوئے دیکھا گیا ہے۔

امام خمینی کا ادبی پہلو

وہ روز اوّل سے ایک باذوق انسان تھے، کتابت کے دلدادہ تھے اور خط نستعلیق میں خاص مہارت رکھتے تھے۔ آپ کا خط تحریر نمبر ایک خطوط کے زمرے میں شمار ہوتا تھا۔ اس وقت بھی آپ کی بعض کتابیں جو ۱۳۴۶ھ اور ۱۳۴۹ھ میں لکھی گئی ہیں بعض علماء کے پاس موجود ہیں جو ہنری آثار کی تخلیق میں آپ کی انگلیوں کی قدرت و توانائی کی عکاسی کرتی ہیں۔

وہ شعری ذوق سے بدرجہ اتم بہرہ مند تھے اور مدحت اہلبیت سے اپنے اس ذوق کی تسکین کا سامان فراہم کرتے تھے کرتے تھے۔ امام زمانہ کی ولادت باسعادت کے موقع پر آپ کے بہاریہ اشعار آیۃ اللہ حائری کے دور میں حوزہ علمیہ قم میں ادبی اور ولائی محفلوں کی زینت تھے۔ اس تعلق سے آپ کا فارسی دیوان آج بھی ادب کے طالبعلوں کے لئے مشعل راہ ہے اور اس کا اردو زبان میں منظوم ترجمہ بھی ہوا اور یہ کارنامہ مولانا ابن علی واعظ قدس سرہ نے سرانجام دیا ہے۔ آپ کی ایک معرکۃ الاراء غزل ''من بہ خال لبت اے دوست گرفتار شدم'' کا بہت سارے لوگوں نے ترجمہ کیا ہے لیکن جو ترجمہ مولانا سید ظفر الحسینی نے کیا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ چنانچہ اس عارفانہ غزل کے پہلے شعر کا ترجمہ کچھ اس طرح ہے: خال لب کا ترے ہمدم میں گرفتار ہوا * چشم بیمار جو دیکھی ترا بیمار ہوا

آپ نے عروض و قوافی کا علم مؤلفِ کتاب ''نقد فلسفۂ ڈارون'' مرحوم شیخ محمد رضا اصفہانی سے حاصل کیا اور ہیئت قدیم و جدید سے بھی مکمل آگاہی رکھتے تھے۔

آپ وحید عصر، فرید دہر اور نابغۂ روزگار تھے۔ آپ جیسی شخصیت صدیوں میں ایک بار پیدا ہوتی ہے۔ عربی کا یہ مصرع ''عقمت بمولد نسلها حواء'' اور اردو کا یہ شعر ''ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے۔ بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا'' مکمل طور پر آپ پر صادق آتا ہے۔ عاشوراء اور فلسفہ عاشوراء کو آپ نے اپنے متن وجود میں کچھ اس طرح جذب کیا کہ یزید وقت کی راتوں کی نیند اڑ گئی اور آپ جب تک زندہ رہے اس کو چین سے سونا نصیب نہیں ہوا۔ آپ کے برپا کردہ انقلاب کی روح ظفر موج آج بھی حق و حقیقت کے متوالوں کے لئے مشعل راہ ہے۔